قیصر شمیم کی شاعری موضوعات اور اسلوب کا تنقیدی جائزہ

Nusrat Shaheen
Department of Urdu
Matiaburj College, Garden Reach Road, Kolkata, West Bengal, 700024

Abstract

Modern Urdu poetry reflects the changing social, cultural, and intellectual concerns of every age while preserving its rich literary tradition. Within this evolving tradition, Qaisar Shamim has developed a poetic voice that combines human experience, social awareness, and artistic discipline with remarkable balance. His poetry does not remain confined to personal emotions alone; it connects individual experience with the wider realities of society and presents human life through a language that is simple, meaningful, and artistically controlled. This article examines the major themes and stylistic features of his poetry through a close reading of selected ghazals, nazms, geets, and relevant prose writings. The study adopts a qualitative and text-based approach in order to understand the relationship between thematic concerns and poetic expression. The discussion shows that human suffering, loneliness, hope, social inequality, moral responsibility, urban life, changing human relationships, and the search for dignity form the central concerns of Qaisar Shamim's poetry. These themes emerge naturally from lived experience and are presented as different dimensions of a shared human condition rather than as isolated ideas or emotional reactions. One of the most striking features of his poetry is the harmony between thought and expression. His language remains simple and fluent, yet it possesses a depth that gradually unfolds through careful reading. Symbols, images, and metaphors arise naturally from experience and become an organic part of poetic expression instead of functioning as decorative devices. This artistic restraint gives emotional intensity to his poetry without allowing it to become sentimental or rhetorical. The same creative discipline is evident in his ghazals, nazams, and geets, although each poetic form retains its own artistic character. His poetry also reflects a deep awareness of the changing social and cultural environment of his time. Without breaking away from the classical tradition of Urdu poetry, he reshapes inherited poetic forms in the light of contemporary realities and gives them renewed relevance. Tradition and modernity therefore exist together in his work, creating a balanced poetic vision that speaks to both the present and the enduring concerns of human life. A close reading of his poetry further reveals that themes and style are inseparable, each enriching the other throughout his creative journey. The variety of subjects explored in his poetry gains greater significance because of the clarity, restraint,

and artistic balance with which they are expressed. His poems move beyond the limits of personal experience and acquire a wider human and social relevance. Viewed as a whole, Qaisar Shamim's poetry offers a meaningful interpretation of modern life and human values, making it an important subject for critical study in modern Urdu literature.

Keywords: Qaisar Shamim, Modern Urdu Poetry, Themes, Style, Ghazal, Nazm, Literary Criticism.

اردو شاعری نے ہر عہد میں اپنے زمانے کے فکری، سماجی اور تہذیبی تقاضوں کو نہایت خوبی سے اپنے اندر سمویا ہے۔ بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ اس کے موضوعات اور اظہار کے طریقے بھی بدلتے رہے ہیں، اور ہر نئے دور میں اس نے اپنے لیے نئی معنویت پیدا کی ہے۔ جدید اردو شاعری کے تناظر میں قیصر شمیم ایک ایسے شاعر کے طور پر سامنے آتے ہیں جن کے یہاں زندگی کے تجربات، انسانی رشتوں کی نزاکت، داخلی کیفیات اور عصری مسائل ایک ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ان کی شاعری محض جذبے کی ترجمانی نہیں کرتی بلکہ قاری کو اپنے عہد، اپنے ماحول اور اپنی ذات کے باطن پر غور کرنے کی طرف بھی مائل کرتی ہے۔

قیصر شمیم کی شعری جہتوں کا مطالعہ اس لیے اہم ہے کہ ان کے یہاں خارجی دنیا کی تصویریں اور داخلی دنیا کی کیفیات ایک دوسرے سے الگ نہیں رہتیں، بلکہ باہم پیوست ہو کر ایک ہم آہنگ فنی تجربہ تشکیل دیتی ہیں۔ ان کے ہاں معاشرتی تضاد، انسانی رشتوں کی پیچیدگی، تنہائی، امید، محرومی اور بدلتے ہوئے زمانے کی بے یقینی مختلف شعری صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی سبب ان کی شاعری ایک طرف ذاتی احساس کی سچائی رکھتی ہے اور دوسری طرف اپنے عہد کی اجتماعی معنویت بھی اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔

روایت سے وابستگی کے باوجود قیصر شمیم نے عصری تجربات کو سادہ، رواں اور باوقار اسلوب میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہاں لفظ محض اظہار کا وسیلہ نہیں بلکہ فکری اور جمالیاتی تاثیر کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں نعرہ، خطابت یا مصنوعی تاثر کے بجائے سنجیدہ مشاہدہ، توازن اور داخلی وقار نمایاں نظر آتا ہے۔ انھی خصوصیات کی بنا پر ان کی شاعری تنقیدی مطالعے کے لیے ایک اہم اور معنی خیز موضوع بنتی ہے۔

قیصر شمیم: حیات و ادبی خدمات

قیصر شمیم کا اصل نام عبدالقیوم خان تھا۔ ابتدا میں وہ "عمید انگسی" کے قلمی نام سے شاعری کرتے رہے، بعد میں "قیصر شمیم" کے نام سے ادبی دنیا میں پہچانے گئے۔ ان کی پیدائش ۲۳ اپریل ۱۹۳۶ء کو انگس، ضلع ہگلی، مغربی بنگال میں ہوئی، جب کہ ان کا خاندانی تعلق غازی پور، اتر پردیش سے تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد انہوں نے تدریس اور صحافت کے میدانوں میں سرگرم رہ کر اردو زبان و ادب کی خدمت کی۔ مشرقی ہندوستان کے تہذیبی ماحول، صنعتی زندگی کے مشاہدات اور عملی تجربات نے ان کی شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا، جس کی جھلک بعد میں ان کی شاعری میں بھی نمایاں طور پر محسوس کی جا سکتی ہے۔

قیصر شمیم نے اپنی عملی اور تخلیقی زندگی میں تدریس، صحافت، ترجمہ نگاری اور شعر و شاعری کے ذریعے ایک ہمہ جہت ادبی شخصیت کی صورت اختیار کی۔ انہوں نے تدریسی سفر کا آغاز بوڑہ مسلم ہائی اسکول سے کیا، جہاں تقریباً گیارہ برس تک اسسٹنٹ ٹیچر رہے۔ اس کے بعد وہ سی۔ ایم۔ او۔ ہائی اسکول، کلکتہ سے وابستہ ہوئے اور وہاں لگ بھگ اٹھائیس برس تدریسی فرائض انجام دیے۔ ساتھ ہی ۱۹۸۹ سے ۲۰۰۱ تک کلکتہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں گیسٹ لیکچرار کی حیثیت سے خدمات دیتے رہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ صحافت اور ترجمہ نگاری میں بھی ان کی مصروفیت جاری رہی، اور ان تمام سرگرمیوں نے ان کے فکری افق کو وسعت عطا کی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے عہد کے ایک باوقار، سنجیدہ اور ہمہ جہت ادبی شخصیت کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔

قیصر شمیم کی شاعری کے بنیادی موضوعات

قیصر شمیم کی شاعری کا مطالعہ اس حقیقت کو سامنے لاتا ہے کہ ان کے ہاں زندگی کا تجربہ محض شخصی سطح پر محدود نہیں رہتا، بلکہ وہ اسے اپنے عہد کی اجتماعی صورتِ حال سے جوڑ کر پیش کرتے ہیں۔ ان کے شعری متن میں انسان، اس کے رشتے، اس کی محرومیاں، اس کی امیدیں اور اس کے گرد پھیلا ہوا سماجی ماحول ایک دوسرے سے جدا نہیں دکھائی دیتے۔ یہی باہمی ربط ان کی شاعری کو محض جذباتی اظہار کے بجائے ایک بامعنی فکری تجربہ بنا دیتا ہے۔

ان کی شاعری میں شہری زندگی کے مسائل، وقت کی بے ثباتی، تنہائی، طبقاتی فاصلے اور انسان کی داخلی الجھنیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ وہ ان موضوعات کو کسی نعرے یا خطیبانہ انداز میں پیش نہیں کرتے، بلکہ ایک ایسے سادہ اور متوازن لہجے میں برتتے ہیں جس میں مشاہدہ، احساس اور فکر آپس میں گھل مل جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے ہاں دکھ بھی محض دکھ نہیں رہتا، بلکہ انسانی زندگی کی ایک بڑی سچائی بن کر سامنے آتا ہے۔

قیصر شمیم کے یہاں گاؤں اور شہر کا تضاد بھی ایک نمایاں موضوع ہے۔ شہر ان کے ہاں محض ایک جگہ نہیں بلکہ ایک ایسا تجربہ ہے جو آدمی کو اندر سے تھکا دیتا ہے، جب کہ گاؤں ایک متبادل فضا کے طور پر ابھرتا ہے جہاں سادگی، قرب اور زندگی کی بنیادی حرارت کا احساس نسبتاً زیادہ واضح ہوتا ہے۔ اس تضاد کے ذریعے شاعر جدید انسانی وجود کی اس کشمکش کو سامنے لاتا ہے جس میں وہ ایک طرف تہذیبی ترقی کے دباؤ میں جیتا ہے اور دوسری طرف اپنی اصل انسانی قدروں کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔

ان کی شاعری کا ایک اور اہم پہلو وقت کا شعور ہے۔ ان کے ہاں وقت صرف دنوں اور برسوں کی گردش کا نام نہیں، بلکہ ایک ایسا تجربہ ہے جو انسان کے تعلقات، اس کی آرزوؤں اور اس کی پہچان کو مسلسل بدلتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظموں اور غزلوں میں عجلت، بے یقینی اور کھو دینے کا اندیشہ بار بار ابھرتا ہے۔ اس احساس کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں زبان اور شناخت کا سوال بھی موجود ہے، جو ان کی شاعری کو تہذیبی سطح پر مزید معنی خیز بناتا ہے۔

اسلوبیاتی انفرادیت اور لسانی خصوصیات

قیصر شمیم کی شاعری میں اسلوب محض اظہار کا ایک سانچہ نہیں، بلکہ فکر، احساس اور تجربے کے باہمی ربط کو نمایاں کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ ان کے یہاں زبان اپنی سادگی کے باوجود سطحی نہیں رہتی، کیونکہ وہ عام لفظوں اور مانوس تراکیب کو اس انداز سے استعمال کرتے ہیں کہ ان میں نئی معنوی جہتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان کی شاعری کا یہ وصف اسے پہلی قرأت میں سہل، مگر باطن میں تہ دار بنا دیتا ہے۔ اسی کیفیت کے باعث ان کا کلام قاری پر فوری اثر بھی ڈالتا ہے اور دیرپا تاثر بھی چھوڑتا ہے۔

ان کے اسلوب کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ لفظوں کو محض سجاوٹ کے لیے استعمال نہیں کرتے، بلکہ انہیں تجربے کے داخلی رنگ میں ڈھال دیتے ہیں۔ اس بناء پر ان کے یہاں سادہ اسلوب کسی فکری کمزوری کی علامت نہیں بلکہ شعری ضبط اور فنی مہارت کا ثبوت بن جاتا ہے۔ وہ جذبے کی شدت کو بے قابو ہونے نہیں دیتے، اور نہ ہی خیال کو اس حد تک الجھاتے ہیں کہ اس کی ترسیل مشکل ہو جائے۔ اس اعتدال نے ان کے لہجے میں ایک ایسی متانت پیدا کی ہے جو ان کی غزل اور نظم دونوں میں محسوس کی جا سکتی ہے۔

قیصر شمیم کے یہاں غزل اور نظم کے اسلوب میں واضح فرق ضرور ہے، لیکن یہ فرق ان کی مجموعی شعری شناخت کو منقسم نہیں کرتا۔ غزل میں وہ اختصار، رمزیت اور اشاریت سے کام لیتے ہیں، جب کہ نظم میں خیال کو نسبتاً کھلے انداز میں آگے بڑھاتے ہیں۔ اس کے باوجود دونوں اصناف میں زبان کی شائستگی اور بیان کی سنجیدگی برقرار رہتی ہے۔ ان کے ہاں غزل کی نرمی اور نظم کی وسعت ایک دوسرے کی ضد نہیں بنتیں، بلکہ ایک ہی تخلیقی مزاج کے دو مختلف پہلو بن کر سامنے آتی ہیں۔

ان کی شاعری میں علامت اور استعارہ بھی محض فنی آرائش کے طور پر استعمال نہیں ہوتے۔ وہ تجربے کی تہ میں اتر کر معنی کو اس طرح واضح کرتے ہیں کہ لفظی سطح پر ایک منظر بنتا ہے اور معنوی سطح پر ایک دوسرا منظر۔ یہی دوہرا آہنگ ان کے کلام کو محض بیانیہ نہیں رہنے دیتا، بلکہ اسے ایک ایسے شعری تجربے میں بدل دیتا ہے جس میں احساس، فکر اور تصویر ایک ساتھ حرکت کرتے ہیں۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو قیصر شمیم کا اسلوب نہ تو رسمی ہے اور نہ تصنع آلود؛ وہ فطری بھی ہے اور باوقار بھی۔

ان کے لہجے میں صحافتی تربیت کے اثرات بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ ان کے یہاں بات کو صاف، متوازن اور براہِ راست رکھنے کی صلاحیت موجود ہے، مگر یہ صفائی شاعری کے جمالیاتی حسن کو متاثر نہیں کرتی۔ وہ اپنے مشاہدات کو اس انداز سے برتتے ہیں کہ بیان میں وضاحت بھی رہتی ہے اور شعریت بھی قائم رہتی ہے۔ اسی بنا پر ان کی شاعری محض جذبے کی آواز نہیں بنتی بلکہ ایک سوچے سمجھے، منضبط اور تہذیب یافتہ شعری شعور کی نمائندگی کرتی ہے۔

یوں قیصر شمیم کا اسلوب ان کی فکری ساخت، عملی زندگی کے تجربات اور شعری حساسیت کا مجموعی اظہار بن کر سامنے آتا ہے۔ ان کے یہاں زبان، خیال اور احساس ایک دوسرے سے الگ نہیں، بلکہ ایک ہم آہنگ صورت میں موجود ہیں۔ یہی ہم آہنگی ان کی شاعری کو وہ وقار عطا کرتی ہے جس کے باعث وہ معاصر اردو شاعری میں ایک نمایاں اور قابلِ توجہ مقام حاصل کرتے ہیں۔

کسی بھی تخلیق کار کی فکری اور تخلیقی شخصیت کو سمجھنے کے لیے صرف اس کی شاعری کا مطالعہ کافی نہیں ہوتا، بلکہ اس کی نثری تحریریں، دیباچے اور خود نوشتہ تاثرات بھی اس کی باطنی تشکیل کو سمجھنے کا اہم ذریعہ بنتے ہیں۔ قیصر شمیم کی تمہیدی تحریروں میں بھی ان کے شعری رویّے، فکری میلان اور تخلیقی محرکات کے ایسے پہلو سامنے آتے ہیں جو ان کی شاعری کے اندرونی نظام کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ اس سبب ان کے شعری سرمایے کے تنقیدی مطالعے میں یہ تحریریں بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن کی روشنی میں ان کی شخصیت، فکر اور تخلیقی جہات مزید واضح ہوتی ہیں۔ اپنے شعری مجموعے "پہاڑ کاٹتے ہوئے" کے دیباچے (دائرے) میں قیصر شمیم اپنے گرد و پیش کے معاشرتی حالات اور طبقاتی ناہمواری کے مشاہدات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مجھے یاد ہے کہ جوٹ مل کے جس علاقے میں میں پیدا ہوا تھا، وہاں جی ٹی روڈ کے ایک طرف مزدوروں کی بستی تھی، جس میں مرغیوں کے ڈربوں جیسے چھوٹے چھوٹے گھر تھے۔ ان میں اکثریت بانس اور مٹی سے بنے ہوئے ایسے گھروں کی تھی جو بیشتر اوقات بوسیدہ رہا کرتے تھے۔ میاں، بیوی، بیٹے، بیٹیاں یعنی پورا خاندان ایک ہی گھر میں ٹھنسا پڑا رہتا تھا اور گھٹ گھٹ کر اسی طرح زندگی گزارتا تھا۔۔"

"پہاڑ کاٹتے ہوئے" قیصر شمیم, دیباچہ (دائرے) صفحہ ۱۴.

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ شاعر اپنے بچپن کے ماحول کو صرف یاد نہیں کر رہے، بلکہ اس سماجی فضا کو بھی سامنے لا رہے ہیں جس نے ان کی شخصیت اور فکری شعور کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ مزدوروں کی تنگ دستی، ان کے محدود وسائل، اور گھٹن زدہ رہن سہن کا یہ منظر محض ایک ذاتی مشاہدہ نہیں بلکہ ایک ایسے معاشرتی تضاد کی تصویر ہے جس نے شاعر کے اندر ابتدائی عمر ہی میں سوالات اور اضطراب پیدا کیے۔ لیکن اس منظر کی معنویت یہیں ختم نہیں ہوتی، کیونکہ اسی جغرافیائی فضا میں ایک دوسری دنیا بھی موجود تھی، جو اپنی نوعیت میں پہلی دنیا سے بالکل مختلف تھی۔ اسی تضاد کو نمایاں کرنے کے لیے قیصر شمیم آگے جی ٹی روڈ کے دوسری جانب کی زندگی کا ذکر کرتے ہیں، جہاں آسودگی، وسعت اور سہولت کا ایک الگ ہی منظر نامہ موجود تھا۔

"یہ نقشہ تھا جی ٹی روڈ کے ایک طرف کا۔ اس کے دوسری طرف نہایت بلند و بالا چار دیواری کے اندر ایک دوسری دنیا تھی، جس میں جوٹ مل کے انگریز افسروں کے رہنے کے لیے عالیشان عمارتیں تھیں اور تفریح کے لیے ٹینس لان، کلب، بال روم اور سینما ہال تھے۔ وہاں چھوٹے سے چھوٹے خاندان کے تصرف میں بہ یک وقت کئی کشادہ کمرے ہوتے تھے، جن میں عیش و آرام کے ساتھ زندگی گزاری جاتی تھی۔."

"پہاڑ کاٹتے ہوئے" قیصر شمیم, دیباچہ (دائرے) صفحہ ۱۴.

یہ اقتباس محض ایک شخصی یادداشت نہیں، بلکہ اس ذہنی اور معاشرتی پس منظر کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ان کی بعد کی تخلیقی سمت کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ جی ٹی روڈ کے دونوں جانب آباد دو متضاد دنیاؤں کا یہ منظر ان کے ذہن میں ابتدا ہی سے انسانی ناہمواری، سماجی تقسیم اور طبقاتی فاصلے کے بارے میں سوالات پیدا کرتا ہے۔ ایک طرف محروم اور تنگ دست زندگی ہے اور دوسری طرف آسودگی، وسعت اور سہولت سے آراستہ دنیا؛ یہ تضاد ان کے اندر ایک ایسی حساسیت پیدا کرتا ہے جو بعد میں ان کی شاعری میں

مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس طرح ان کے یہاں تجربہ محض مشاہدہ نہیں رہتا، بلکہ فکری تشکیل کا حصہ بن جاتا ہے۔ اسی پس منظر میں قیصر شمیم کی نظم "آج کا انسان" عصرِ حاضر کے انسان کی بے سمتی، داخلی خلا اور جذبوں کی پژمردگی کو نہایت مختصر مگر مؤثر انداز میں پیش کرتی ہے:

"آج کا انسان"

نہ صبح صبح مسرت
نہ شام شام الم
نہ کوئی حرف تمنا
نہ کوئی آیت غم
نہ دل میں جوش توقع
نہ جاں کو بیم قنوط
نہ زندگی کا تموج
نہ موت ہی کا سکوت
کہاں ہے آج کا انسان اسے خبر بھی نہیں
قیام بھی نہیں اسکا کہیں سفر بھی نہیں

دستخط، قیصر شمیم نمبر، ص۔ ۲۲۔

ان مصرعوں میں زندگی کی حرکت، احساس کی تازگی اور وجود کی سمت سب کچھ مدھم پڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ شاعر نے نفی کے مسلسل آہنگ سے ایسی فضا قائم کی ہے جس میں انسان نہ کسی واضح منزل پر ہے اور نہ کسی معنی خیز سفر میں۔ یہ کیفیت محض ایک فرد کی نہیں بلکہ اس عہد کے انسان کی اجتماعی حالت کی نمائندگی کرتی ہے۔

نظم کی فنی خوبی یہ ہے کہ شاعر نے بڑے دعووں یا خطیبانہ انداز کے بجائے سادہ لفظوں اور مختصر مصرعوں کے ذریعے ایک گہرا تاثر پیدا کیا ہے۔ "نہ زندگی کا تموج، نہ موت ہی کا سکوت" جیسے مصرعے وجودی بے اطمینانی کو اس طرح نمایاں کرتے ہیں کہ قاری اس خلا کو محسوس کیے بغیر نہیں رہتا۔ اس طرح نظم موضوع کی سطح پر بھی مضبوط ہے اور اظہار کی سطح پر بھی۔ یوں "آج کا انسان" قیصر شمیم کے اس شعری مزاج کی نمائندہ نظم ہے جس میں مشاہدہ، داخلی احساس اور سماجی آگاہی ایک دوسرے سے جڑ کر سامنے آتے ہیں۔ یہ نظم ان کے فکری دائرے کو سمجھنے میں بھی مدد دیتی ہے اور ان کے شعری اسلوب کی متانت کو بھی واضح کرتی ہے۔

قیصر شمیم کی شعری شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے مختلف مواقع پر اپنے تخلیقی رویّے اور فکری جہات پر براہِ راست اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان تحریروں کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ ان کے ذریعے شاعر کے فکری محرکات، تخلیقی زاویۂ نظر اور زندگی سے اس کے تعلق کی نوعیت کو براہِ راست سمجھا جا سکتا ہے۔ شعری مجموعہ "سانس کی دھار" کے ابتدائی تعارفی حصے (جواز) میں

شامل درجِ ذیل اقتباس اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے، جس میں شاعر نے اپنی شاعری، اپنی ذات اور اپنے عہد کے باہمی رشتے کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔

"مجھے اعتراف ہے کہ میری شاعری نہ میری ذات سے کبھی جدا رہی ہے، نہ میری حیات سے، نہ معاشرے سے، نہ کائنات سے۔ گذشتہ چالیس پینتالیس سال کے دوران میرے ذہن و دل کو ہوائے وقت کی مسرت انگیز لہریں کم اور ایذا رساں تھپیڑے زیادہ متاثر کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس مدت میں قدم قدم پر میں نے جو کچھ محسوس کیا ہے، اسے کسی ذہنی تحفظ کے بغیر اپنی شاعری میں سمونے کی کوشش کی ہے، لیکن میں نے یہ کوشش اپنے خول میں بند رہ کر اطمینان کی سانس لینے والے فرد کی طرح نہیں، بلکہ اس انسان کی طرح کی ہے جو برسوں سے ایک ساتھ کئی خانوں میں بٹا ہوا ہے اور چاہتے ہوئے بھی جس کی توجہ مسلسل ایک خانے پر نہیں رہنے پاتی، خواہ وہ نہاں خانۂ دل ہی کیوں نہ ہو!".

"سانس کی دھار"، قیصر شمیم، دیباچہ (جواز)، صفحہ ۵۔

اس اقتباس سے قیصر شمیم کی شاعری کی بنیادی سمت متعیّن ہوتی ہے۔ وہ شعر کو محض ذاتی احساسات یا انفرادی واردات کا اظہار نہیں سمجھتے، بلکہ اسے زندگی، معاشرے اور انسانی تجربے کے باہمی ربط کی صورت میں برتتے ہیں۔ ان کے ہاں داخلی احساس اور خارجی حقیقت ایک دوسرے سے الگ نہیں رہتے؛ دونوں مل کر ان کی تخلیقی دنیا کی تشکیل کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کی غزلوں اور نظموں میں فرد کی باطنی کیفیت، سماجی تبدیلیاں اور انسانی مسائل الگ الگ خانوں میں تقسیم ہو کر نہیں آتے، بلکہ ایک وسیع تر انسانی تناظر میں باہم پیوست ہو جاتے ہیں۔

اس پس منظر میں ان کی شاعری ذاتی تجربے کی محدود حدود سے نکل کر اجتماعی انسانی زندگی کی معنویت کو سمو لیتی ہے۔ ان کے ہاں ذات، معاشرہ اور زمانہ ایک دوسرے سے کٹے ہوئے نہیں، بلکہ ایک مربوط شعری تجربے کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ یہی شعری رویّہ ان کی غزل کو روایتی عشقیہ دائرے سے آگے لے جاتا ہے اور اسے انسانی جذبے، داخلی کشمکش، معاشرتی رویّوں اور عصری احساسات کا بھی آئینہ بنا دیتا ہے۔ ذیل کی غزل اسی شعری مزاج کی ایک نمایاں مثال کے طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔

قیصر شمیم کی شخصیت کے مختلف پہلو ان کی شاعری میں پوری فطریّت کے ساتھ منعکس ہوتے ہیں۔ ان کی انکساری، وضع داری، انسان دوستی اور زندگی کے تئیں سنجیدہ رویہ صرف ان کی نجی زندگی تک محدود نہیں رہتا بلکہ ان کے شعری لہجے اور طرزِ اظہار میں بھی نمایاں طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ اسی نکتے کی طرف ایم۔ کے۔ اثر نے اپنے مضمون "قیصر شمیم اور ان کی شخصیت" میں توجہ دلائی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی شاعری میں داخلی صداقت، انسانی احساس اور فنی وقار ایک فطری ہم آہنگی کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔

خواہشوں کا جال بننا ہے تو بُن، پاگل نہ بن
زندگی کی آنکھ کا بہتا ہوا کاجل نہ بن
ہے سمندر میں تو رکھ گہرائیوں کا وصف بھی

سر پھری موجوں کی صورت سطح کی ہلچل نہ بن
لہلہانا چاہتی ہیں زندگی کی کھیتیاں
آسماں کو چوم، لیکن آگ کا بادل نہ بن
اپنی آنکھوں میں ذرا ہر ہاتھ کی پہچان رکھ
گھر جلانے والے ہاتھوں کے لیے مشعل نہ بن
اپنی مٹی میں سدا مضبوط رکھ اپنی جڑیں
آندھیوں کے دور کی ہے پود، تو کومل نہ بن
آنے والے کل کی آنکھیں تجھ کو بننا ہے تو پھر
جو اندھیرا دے کے رخصت ہو گیا، وہ کل نہ بن

بانٹ اپنی پتیاں، قیصر، مگر گھر کو بھی دیکھ
اپنے آنگن کے لیے اُجڑا ہوا پیپل نہ بن

"سانس کی دھار" قیصر شمیم, صفحہ ۳۶,

قیصر شمیم اس غزل میں زندگی کے متنوع تجربات انسانی کردار، اخلاقی رویّوں اور سماجی ذمہ داری کے وسیع تناظر میں ڈھل گئے ہیں۔ موصوف نے براہِ راست نصیحت یا خطابت کے بجائے علامت، استعارہ اور تمثیل کے ذریعے ایسے معنوی امکانات پیدا کیے ہیں جو قاری کو محض لطفِ شعر تک محدود نہیں رکھتے بلکہ غور و فکر کی طرف بھی متوجہ کرتے ہیں۔ اس طرح یہ غزل روایتی عشقیہ مضامین کے دائرے سے نکل کر انسانی زندگی اور اخلاقی اقدار کے وسیع تر مفاہیم کو اپنے اندر سمو لیتی ہے۔ تاہم قیصر شمیم کی غزل کا دائرۂ اظہار صرف انہی جہات تک محدود نہیں رہتا، بلکہ ان کی دوسری غزلوں میں شہری زندگی کی بے سمتی، داخلی تنہائی، وجودی اضطراب اور عصری انسان کی پیچیدہ نفسیاتی کیفیت بھی نہایت مؤثر انداز میں سامنے آتی ہے۔ ذیل کی غزل اسی شعری جہت کی ایک بامعنی مثال کے طور پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

نہ کوئی پیڑ نہ پتّا نہ سائباں کوئی
نگر میں دھوپ کے ٹھہرے گا اب کہاں کوئی
نہ بھاگنے کی سہولت نہ سانس لینے کی
اڑا رہا ہے یہاں زہر کا دھواں کوئی

تمھارے شہر میں آتے رہیں گے لوگ مگر
مری طرح تو نہ آئے گا بے زباں کوئی
مری صدا تو سمندر کے شور میں گم ہے
نہ کوئی کشتی ملے گی نہ بادباں کوئی
مجھے یہ دھوکہ نہ دے مری حسرتِ پرواز
کہ میرے قدموں میں ہے آج کہکشاں کوئی
سنی نہ تم نے تو میری خطا ہے کیا، قیصر
سنانے آیا نہ تھا میں بھی داستاں کوئی

"سانس کی دھار" قیصر شمیم، صفحہ ۲۰

اس غزل میں قیصر شمیم نے انسان کی تنہائی، بے بسی اور داخلی اضطراب کو نہایت سادہ مگر مؤثر زبان میں سمیٹا ہے۔ یہاں پیڑ، پتّا، سائباں، سانس، دھواں، کشتی اور بادباں جیسے لفظ محض منظرکشی کے لیے نہیں آئے، بلکہ ایک ایسے وجودی ماحول کی طرف اشارہ کرتے ہیں جہاں آدمی اپنے ہی عہد میں اجنبی ہو کر رہ گیا ہے۔ شاعر نے براہِ راست شکوہ کرنے کے بجائے تصویروں کے ذریعے احساس کی شدت پیدا کی ہے، اسی لیے یہ غزل ایک فرد کی نہیں بلکہ پورے عصرِ حاضر کے انسان کی بے سمتی اور بے آوازگی کی ترجمان بن جاتی ہے۔ آخری شعر میں "قیصر" کا تخلص اس داخلی کیفیت کو اور زیادہ شخصی اور دل نشین بنا دیتا ہے، جیسے شاعر اپنے ہی دل کی گم شدہ صدا کو پھر سے سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

غزلوں اور نظموں کی طرح ان کے گیت بھی ان کی شعری شخصیت کا اہم اور دلکش پہلو ہیں۔ ان گیتوں میں روزمرہ زندگی کے تجربات، انسانی رشتوں کی لطافت، یاد کی نرمی، محبت کی حرارت اور داخلی احساسات نہایت سادہ مگر مؤثر پیرائے میں سامنے آتے ہیں۔ ان کے ہاں گیت محض نغمگی یا آہنگ کا وسیلہ نہیں بنتا، بلکہ انسانی احساسات کی ایک تہ دار اور بامعنی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے گیتوں میں موسیقیت کے ساتھ ساتھ معنوی گہرائی بھی موجود رہتی ہے۔ ان کی کتاب "پہاڑ کاٹتے ہوئے" میں شامل درجِ ذیل گیت اسی فنی اور موضوعاتی وسعت کی ایک خوبصورت مثال ہے۔

گیت

کیا جانے کیسی چھایا کا بستی بستی پھیرا ہے
گھر گھر رات اُتر آئی ہے، گھر گھر آج اندھیرا ہے
آؤ دیپ جلائیں سکھی ری، آؤ دیپ جلائیں
آؤ دیپ جلائیں
کیا جانے وہ کیسی رت تھی جس کا سپنا دیکھا تھا

رت جب بدلی، تب یہ جانا، وہ سپنا تو جھوٹا تھا
وہ سپنا بھی ٹوٹ چکا ہے، کس سے من بہلائیں
آؤ دیپ جلائیں

جانے کب اوشا کا رتھ پھر جیون پتھ پر آ پائے
جانے کب جیون پھر اپنی جو بن مدرا چھلکائے
جانے کب آشائیں پھر سے گھر گھر جوت جگائیں
آؤ دیپ جلائیں

جب تک رات نہیں کٹ جاتی، دیپ جلاتے جائیں گے
جانے کب پردیسی بالم اس نگری میں آئیں گے
وہ آئیں یا آئے سویرا، پگ پگ نین بچھائیں
آؤ دیپ جلائیں

"پہاڑ کاٹتے ہوئے "قیصر شیم, صفحہ ۱۵۳۔

قیصر شمیم کے گیتوں میں داخلی کیفیت، یاد کی نرمی اور انسانی احساس کی گرمی ایک خاص موسیقیت کے ساتھ ابھرتی ہے۔ ان کے ہاں گیت محض نغمہ نہیں رہتا بلکہ جذبے، فضا اور تجربے کی مشترک صورت بن جاتا ہے۔ اس لیے ان کی تخلیقات میں روزمرہ زندگی کے سادہ مناظر بھی ایک لطیف شعری رنگ اختیار کر لیتے ہیں، اور قاری ان کے ذریعے ایک ایسے جذباتی منظرنامے میں داخل ہو جاتا ہے جہاں آواز، احساس اور معنی ایک ساتھ آگے بڑھتے ہیں

قیصر شمیم کی نظم نگاری ان کی شعری شخصیت کا ایک اہم اور نمایاں پہلو ہے۔ اگر ان کی غزل میں اختصار، رمزیت اور تہذیبی اشاروں کی لطافت غالب رہتی ہے تو نظم میں وہ زندگی کے تجربے کو نسبتاً زیادہ تسلسل، وضاحت اور داخلی ارتکاز کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ان کی نظموں میں انسان کی بے یقینی، تنہائی، محرومی اور امید کی مدھم مگر مسلسل روشنی ایک ایسے اسلوب میں ظاہر ہوتی ہے جو بیک وقت سادہ بھی ہے اور اثر انگیز بھی۔ یہی وصف ان کی نظموں کو محض جذباتی اظہار نہیں رہنے دیتا، بلکہ انہیں انسانی تجربے کی گہری اور بامعنی تعبیر بنا دیتا ہے۔ اس تناظر میں "جیون پتھ پر" ان کی نظم نگاری کی ایک نمایاں مثال ہے، جس میں زندگی کے کٹھن سفر، بچھڑتے ہوئے رشتوں اور منزل کی تلاش کو نہایت مؤثر علامتی پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔

"جیون پتھ پر"

اونچے نیچے، ٹیڑھے میڑھے
گھور اندھیرے جیون پتھ پر

ننھی منی آشاوں کے
جلتے بجھتے دیپ لیے میں
جانے کب سے بھٹک رہا ہوں
اپنے پرائے، سنگی ساتھی
اونچے نیچے، ٹیڑھے میڑھے
گھور اندھیرے جیون پتھ پر
اک اک کر کے بچھڑ گئے ہیں
آج اکیلے اندھیارے میں
ننھی منی آشاؤں کے
جلتے بجھتے دیپ لیے میں
اپنی منزل ڈھونڈ رہا ہوں!

دستخط، قیصر شمیم۔ نمبر، صفحہ ۲۹۔

اس نظم میں شاعر نے زندگی کو ایک دشوار اور غیر ہموار راستے کے طور پر دیکھا ہے، جہاں مسافر کے ہاتھ میں امید کے دیے تو ہیں، مگر راستہ اندھیروں، ٹھوکر اور بچھڑاؤ سے بھرا ہوا ہے۔ یہ نظم داخلی کرب کے ساتھ ساتھ مسلسل جستجو کا بھی بیان ہے، اس لیے اس میں مایوسی کے باوجود حرکت اور تلاش کا احساس برقرار رہتا ہے۔ قیصر شمیم نے یہاں سادہ لفظوں میں ایک گہری انسانی کیفیت کو سمودیا ہے، اور یہی ان کی نظم کا وہ وصف ہے جو اسے محض بیان نہیں رہنے دیتا بلکہ تجربے کی زندہ اور اثر انگیز صورت بنا دیتا ہے۔

انکی نظموں میں زندگی کے تجربات صرف داخلی کیفیت تک محدود نہیں رہتے، بلکہ وہ سماجی، تہذیبی اور فکری سطحوں تک پھیل جاتے ہیں۔ ان کے ہاں ایک طرف انسان کی تنہائی اور بے یقینی کا بیان ہے تو دوسری طرف طبقاتی فرق، شہری زندگی کی گھٹن، گاؤں سے وابستگی، زبان کی شناخت اور اجتماعی شعور جیسے مسائل بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ یہی وسعت ان کی نظم نگاری کو محض شخصی اظہار سے آگے لے جا کر ایک باوقار ادبی تجربہ بنا دیتی ہے۔ ان کی شاعری میں احساس کی سچائی اور اظہار کی تہذیب ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ رہتے ہیں کہ قاری نظم کے ظاہری سادہ پن کے اندر ایک گہری فکری دنیا محسوس کرتا ہے۔

قیصر شمیم کی تخلیقی شخصیت ایک ایسے فنکار کی تصویر پیش کرتی ہے جس نے لفظ کو محض اظہار کا وسیلہ نہیں، بلکہ زندگی کو سمجھنے اور برتنے کا قرینہ بنایا۔ ان کی شاعری ہو یا دیگر تخلیقی کاوشیں، ان کے ہاں انسان اپنے پورے وجود، اپنے رشتوں، اپنی محرومیوں اور اپنی امیدوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ وہ اپنے عہد کی تلخیوں کو بھی صرف بیان نہیں کرتے، انہیں شعری تجربے میں ڈھال دیتے ہیں، اور یوں ان کا فن ذاتی احساس سے نکل کر اجتماعی معنویت اختیار کر لیتا ہے۔ یہی وہ امتیاز ہے جو انہیں اپنے ہم عصر تخلیق کاروں میں

ایک الگ شناخت دیتا ہے: ایک ایسا شاعر اور فنکار جو روایت سے جڑا رہ کر بھی اپنے زمانے کی نبض پر ہاتھ رکھتا ہے، اور اپنے لفظوں میں صرف حسن نہیں، انسانی زندگی کی دھڑکن بھی سمو دیتا ہے۔

.Bibliography

- پہاڑ کاٹتے ہوئے "قیصر شمیم, عرفان گرافکس, شیب پور, ہوڑہ,۱۹۹۸۔
- "دستخط "قیصر شمیم ۔نمبر, گلستاں پبلیکشنز, بارکپور, مرتب, فراغ روہوی,۲۰۰۵.
- "سانس کی دھار "قیصر شمیم, عرفان گرافکس, شیب پور, ہوڑہ,۱۹۹۷۔
- "ساعتوں کا سمندر", قیصر شمیم, سپرنا پبلیکشنز, شیب پور, ہوڑہ,۱۹۷۱۔

حوالہ

- تری دھارا، قیصر شمیم، سپرنا پبلی کیشنز، شیب پور ہوڑہ، ۱۹۹۴
- اور زمین چیختی ہے، قیصر شمیم، عرفان گرافکس، شیب پور ہوڑہ، ۲۰۲۱
- https://www.youtube.com/watch?v=eDcONZJSDNc
- کلیات میر تقی میر– میر تقی میر (اردو غزل کے خدائے سخن کا مکمل کلام)
- دیوانِ غالب– مرزا اسد اللہ خان غالب (غالب کی فلسفیانہ اور تغزل سے بھرپور شاعری)
- بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم– علامہ محمد اقبال
- دیوانِ ذوق– شیخ ابراہیم ذوق
- دیوانِ درد– خواجہ میر درد
- نقشِ فریادی، دستِ صبا، زنداں نامہ– فیض احمد فیض
- کلیاتِ یگانہ– یگانہ چنگیزی
- خوشبو– پروین شاکر (معروف جدید رومانی اور نسوانی لہجے کی شاعری)
- فرنود اور گویا– جون ایلیا (جدید دور کے مقبول ترین شاعر کے مجموعے)
- مقدمہ شعر و شاعری– مولانا الطاف حسین حالی (اردو شاعری کی پہلی باقاعدہ تنقیدی اور شعری اصولوں پر مبنی کتاب)
- اردو شاعری کا تنقیدی جائزہ– ڈاکٹر عبادت بریلوی
- شعر و حکمت– پروفیسر سید مسعود حسن رضوی
- تاریخِ ادبِ اردو– رام بابو سکسینہ
- اردو غزل اور اس کے اہم موڑ– یوسف سرمدی
- غزل اور مطالعہ غزل– ڈاکٹر عبادت بریلوی

***